قسط ۳

(گزشتہ سے پیوستہ)

از: پروفیسر سید جعفر رضا

ہندستان میں فارسی ادب

بیا کہ مجمع خوبان دلربا اینجاست
کرشمہ ہا ہمہ اینجا و نازہا اینجاست
قدم ز نقطہ کشمیر بر نمی گیرم
مقیم مرکز مقیم و جای ما اینجاست

طالب آملی کے کلام میں زندگی کے مختلف اور متنوع پہلو جھلکتے ہیں۔ امن و امان، عدل وانصاف اور خوش حالی دور جہانگیری کی خصوصیات ہیں۔ طالبؔ ان حالات کا چشم دید گواہ ہے:

شگفتہ روی وپُر از نشاط صحبت اوست
جہان چرا نبود خوش جہان پناہ خوشست
از فیض عدل شاہ جہانگیر خواب امن
درویش را بہ بستر اطلس غنیمت است

دور جہانگیری میں انشاء نگاری کی دو اہم کتابیں ہیں۔ ایک فیضی اور ابوالفضل کے بھانجے نورالدین محمد کی تالیف "انشاء طرب الصبیان" جس کا قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی کے ذخیرۂ مخطوطات شیرانی میں محفوظ ہے اور دوسرا "زبدۃ الانشاء" جس کا قلمی نسخہ انڈیا آفس لائبریری میں محفوظ ہے، مؤلف کا نام معلوم نہیں۔ نوآموزوں کو مکاتیب نویسی کے آداب سکھانے کا قاعدہ ہے۔ ایک اور اہم انشائی مجموعہ 'بیت الشرف' ہے جس کو نصیرائی ہمدانی نے ۱۶۲۱ء میں مرتب کیا۔ عہد جہانگیری میں شعراء کے کئی تذکرے لکھے گئے۔ جس میں تقی اصفہانی (م۔۱۶۴۰ء) نے "عرفات العاشقین" ۱۶۱۳ء میں لکھی، اسی طرح ایک اور تذکرہ، 'تذکرۂ خرابات'، کے نام سے موجود ہے جس میں ۲۹۱ فارسی شعراء کا ذکر ہے لیکن مؤلف کا نام معلوم نہیں۔ عبد النبی خاں فخر الزمانی نے ۱۶۱۸ء میں 'مے خانہ' لکھا اور ۱۶۱۹ء میں، اس میں دو اور ساقی ناموں کا اضافہ کیا۔ یہ اپنی نوعیت کا نادر تذکرہ ہے جس میں صرف ساقی نامے ہیں۔ اس میں ۱۲۰ ساقی نامے جمع کئے گئے ہیں۔ یہ تذکرۂ مے خانہ کئی بار شائع ہوچکا ہے۔ مطہری سمرقندی نے 'تاریخ جہانگیری' کے نام سے اکبر اور جہانگیر کے زمانہ کے شعراء کا ذکر کیا ہے اور "مجمع الشعرائے جہانگیری" میں قاطعی نے ۵۱ اشاعروں کا ذکر کیا ہے۔

عہد جہانگیر کے ترجموں میں ہندوؤں کی مذہبی کتب میں سنسکرت سے 'رامائن' کو شیخ سعد اللہ مسیح نے فارسی میں ترجمہ کیا، ایک اور ترجمہ بصورت مثنوی اسی نام سے کسی گمنام شاعر نے کیا۔ سنگھاسن بتیسی، کے بھی دو ترجمے کئے گئے۔ ملک محمد جائسی کی "پدماوت" کا فارسی ترجمہ، مثنوی، دست پدم، کے نام سے ملا عبدالشکور بزمی (م۔۱۶۶۲ء) نے کیا جو امیر حسن عابدی کی تصحیح کے ساتھ تہران سے شائع ہوئی۔ اسی طرح ملا داؤد کی منظوم داستان 'چنداین' کا فارسی ترجمہ حمید کلانوری (م۔۱۶۱۸ء) نے کیا۔ داستان کامروپ وکام لتا کا فارسی ترجمہ میر محمد کاظم حسینی نے کیا۔ عربی کی ایک مشہور لغت کا دیباچہ مجد الدین فیروز آبادی (م۔۱۴۱۴ء) کی تالیف ہے جس کو عبد الرحمٰن بن حسن نے فارسی میں ترجمہ کیا۔

شاہ جہاں (م۔۱۶۵۹ء) فنون لطیفہ کا

زبردست سرپرست تھا۔ جس کے حسن ذوق کی علامتیں تاج محل، لال قلعہ اور دوسری عمارتیں ہیں لیکن خود شعر وادب میں کوئی کارنامہ انجام نہ دے سکا۔ البتہ علماء و فضلاء کی سرپرستی میں اپنے اسلاف سے پیچھے نہ تھا۔ دور شاہ جہانی کے مشہور شعراء کلیم ہمدانی اور قدسی تھے۔ کلیم دربار شاہ جہانی میں ملک الشعراء کے منصب پر سرفراز ہوا۔ قدسی کے ایک قصیدے پر شاہ جہاں نے اس کا منہ سات بار جواہرات سے بھرا۔ ایک اور قصیدے پر اسے روپیوں میں وزن کیا گیا۔ تخت طاؤس تیار ہوا تو متعدد شعراء نے قصائد لکھے۔ سب کو انعام واکرام ملا۔ کلیم کا قصیدہ پسند خاطر شہنشاہ ہوا، شاعر کو روپیوں میں وزن کیا گیا۔ شہنشاہ کے شاہ جہاں لقب حاصل کرنے پر قیصر روم نے اعتراض کیا کہ آپ ہندستان کے بادشاہ ہیں، جہان کے نہیں۔ کلیم ہمدانی نے اس کے لقب کے جواز میں قصیدہ لکھا اس قصیدے پر بھی اسے روپیوں میں تلوایا گیا۔ دربار شاہ جہانی سے متعدد شعراء وابستہ تھے محض چند کا ذکر کیا جاسکتا ہے:

محمد جان قدسی (م۔ ۱۶۴۶ء) کا نام تخت طاؤس کے ساتھ وابستہ ہے۔ جس کی تحریر کردہ تاریخ (۱۰۴۴ھ / ۱۶۳۴ء) لوح آبدار پر کندہ کر کے تخت پر لگائی گئی:

زہی فرخندہ تخت پادشاہی
کہ شد سامان بہ تائید الٰہی
چو تاریخش زبان پرسید از دل
بگفت "اورنگ شاہنشاہ عادل"

قدسی کے ضخیم کلیات میں مختلف اصناف سخن ہیں، وہ نہایت زود گو تھا لیکن کلیات میں بھرتی کے شعر نہیں۔ ایک مشہور نعت، "مرحبا سید مکی مدنی العربی" قدسی کی جانب منسوب ہے جو موجودہ تحقیق کے مطابق ۱۳ویں صدی کے ایک شاعر سید محمد خاں قدسی الہ آبادی کی تخلیق ہے ۳۷۔ ان قدسی کا ذکر تذکرہ روز روشن میں موجود ہے۔ ۳۸

ابوطالب کلیم (م۔ ۱۶۵۱ء) دربار مغلیہ کے عروج کا آخری ملک الشعراء ہے۔ کاشان کا رہنے والا تھا۔ لیکن صفوی حکمرانوں کی ناقدری سے دل برگشتہ ہو کر ہندستان آیا۔ ۳۹ میر جملہ کے توسط سے دربار شاہ جہانی میں بازیابی حاصل ہوئی اور ملک الشعراء کا خطاب حاصل ہوا۔ کلیم بڑا سیر چشم اور دریا دل انسان تھا۔ بادشاہ کا عطا کردہ انعام واکرام غرباء و مساکین میں تقسیم کر دیتا تھا۔ ۴۰ اپنے معاصر شعراء میں میر معصوم، قدسی اور ملک قمی سے تعلق خاطر رکھتا تھا۔ ملک قمی کی موت پر اس نے جو مرثیہ کہا وہ شاہکار ہے۔ کلیم کی تصانیف میں دیوان اور دو مثنویاں ہیں۔ ایک مثنوی 'ظفر نامہ شاہ جہاں' شروع کی تھی لیکن موت نے راہ کھوٹی کردی، مکمل نہ کرسکا، کلیم کی ایک اور مثنوی شاہنامہ کلیم ہے، دیوان کلیم میں تاریخی واقعات اور موضوعات کا بیان ملتا ہے مثلاً فتح پور کی فتح، قحط دکن، شہزادہ اورنگ زیب پر ہاتھی کا حملہ وغیرہ۔ کلیم کے کلام میں اس وقت کے مختلف پیشہ وروں کا ذکر ملتا ہے مثلاً بزاز، مہاجن، صراف، عطار، پان فروش وغیرہ۔ عرفی کی طرح کلیم بھی کشمیر جنت نشاں، پر فدا تھا۔ شاہ جہاں کے ساتھ کشمیر گیا، وہاں کے دلفریب مناظر پر ایسا فریفتہ ہوا کہ واپس جانے کو تیار نہ ہوا۔ بادشاہ نے اسرار کیا تو اس کی شان میں 'ظفر نامہ' لکھنے کا بہانہ کر کے کشمیر میں رک گیا۔ شاہ جہاں کی واپسی پر کشمیر میں گوشہ گیر ہو گیا اور وہیں انتقال کیا۔ کلیم کی شاعری میں بابا فغانی کے طرز کی تازہ گوئی ہے، خود کہتا ہے:

گر متاع سخن امروز کساد است کلیم
تازہ کن طرز کہ در چشم خریدار آید

کلیم کی شاعری کی بنیاد سبک ہندی پر ہے لیکن اس کا کلام زیادہ تر ابہام اور دقت پسندی سے پاک ہے۔ کلیم، پیکر تراشی کا ماہر ہے:

ما ز آغاز و ز انجام جہان بی خبریم
اوّل و آخر این کہنہ کتاب افتادہ است

دور شاہ جہانی کے سبکِ ہندی کے شعراء میں مرزا محمد علی صائب تبریزی (م۔ ۱۶۶۹ء) ممتاز ہے۔ عہد جوانی میں ہندستان آیا اور دربار شاہ جہانی میں قدر و منزلت ہوئی پھر وطن واپس ہو گیا اور شاہ عباس ثانی کے دربار میں ملک الشعراء کے خطاب سے سرفراز ہوا۔ صائب فارسی شاعری میں ایک خاص طرز کا موجد ہے جس کی تقلید ممکن نہ ہو سکی۔ اسی بنا پر اسے غزل کا شاعر کہا جاتا ہے۔ فلسفہ، تصوف، مزاح و حقیقت، رندی و سرمستی اور معاملہ بندی میں تمثیل نگاری سے خاص لطف پیدا کرتا۔ صائب کے بہت سے اشعار ضرب المثل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ صائب کو اپنے دور میں

جو مقبولیت حاصل تھی، وہ آج بھی برقرار ہے۔

دور شاہ جہانی کے دیگر شعراء میں ابوالبرکات منیر لاہوری (م ۱۶۴۴ء) سلطان شادمان (م۔ ۱۶۶۸ء) سعیدائے گیلانی (ز۔ ۳۸۔۱۶۳۷ء) وغیرہ اہم ہیں۔

دور شاہ جہانی میں شعراء کے تین تذکرے مرتب ہوئے۔ طبقات شاہ جہانی، مصنفہ محمد صادق، جس میں بابر، ہمایوں، اکبر، جہانگیر اور شاہ جہاں کے زمانے کے شعراء کا ذکر ہے۔ دوسرا اہم تذکرہ خزینہ گنج الٰہی، ہے جس کو عماد الدین محمود حسینی نے ۵۳۔۱۶۳۲ء کے درمیان لکھا۔ اور تیسرا اہم تذکرہ 'لطائف الخیال' ہے جس کو شیخ ہند شیرازی نے ۱۶۶۷ء میں تالیف کیا۔ اس تذکرے میں ۴۵۴ ایسے شعراء کا ذکر کیا گیا ہے جن میں بیشتر کتاب کی تالیف تک زندہ تھے۔ دور شاہ جہانی میں مکتوب نگاری پر خصوصی توجہ کی گئی۔ شاہ جہاں کے وزیر اعظم سعد اللہ خاں کے مکتوبات (تعداد ۴۹) 'مکتوب سعد اللہ خان' کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ سعد اللہ خاں، مکتوب نگاری میں ابوالفضل کا پیرو ہے مگر وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی! دور شاہجہانی کا اہم ترین مجموعہ مکاتیب 'بہار سخن' ہے جس کا مصنف محمد صالح کنبوہ (مصنف 'عمل صالح' ہے) ان میں بعض مکاتیب داراشکوہ، اورنگ زیب اور دیگر امراء کے نام ہیں لیکن زیادہ تر شاہ جہاں سے متعلق مکتوبات ہیں۔ اس دور کا ایک انشائی کارنامہ 'انشائے منیر' ہے جو منیر لاہوری کے چھ مکاتیب کا مجموعہ ہے جو اس نے سیف خاں کی جانب سے بعض خواتین

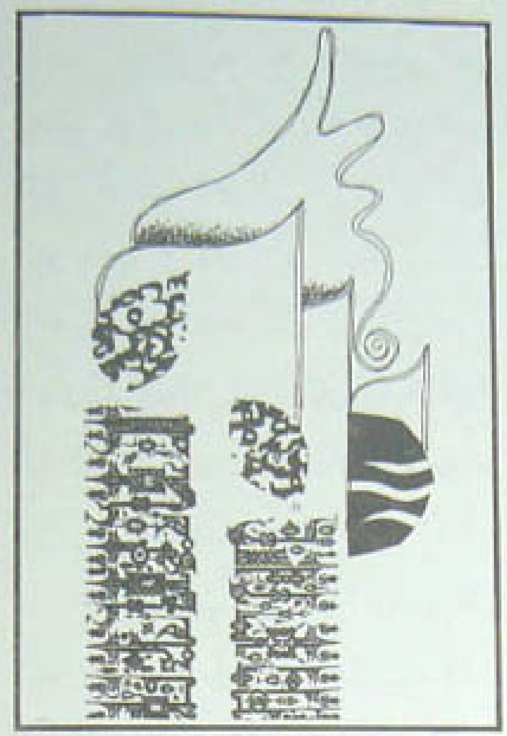

کے نام لکھے۔ اس کے موضوعات میں بڑی رنگا رنگی ہے۔ حکایات کا مجموعہ بہار دانش، شیخ عطاء اللہ کنبوہ لاہوری (م۔ ۱۶۷۱ء) نے ۱۶۵۱ء میں لکھی اور شاہجہاں کے دربار میں پیش کی۔ یہ نثر موزوں کی بہترین مثال ہے لیکن شاہجہاں نے پسند نہ کیا اور کہا:

"خط زشت است و بہ آب زر نوشت است، حق محنتش رابدہند۔" ۲۱؎

میر عسکری رازی نے دو ہندوستانی عاشقوں کی کہانی 'مہرو ماہ' فارسی میں منظوم لکھی۔ میر زاہد نے 'حکایات زال و محمودہ فریب' لکھی۔ اس کے علاوہ اور بہت سے قصے کہانیوں کا ذکر ملتا ہے۔ بھگوت گیتا، کا ایک ترجمہ ۱۶۵۴ء میں عبدالرحمٰن چشتی نے کیا، کسی گمنام مصنف نے، 'گل فشاں، کے نام سے 'سنگھاسن بتیسی' کا ترجمہ کیا۔ 'بہار دانش' کے نام سے سنسکرت داستان پنچ تنتر، کا ترجمہ عنایت اللہ کنبوہ ملتانی نے کیا۔ شیخ منجھن کی ہندی داستان فارسی منظوم ترجمہ مثنوی 'منوہر و مدھومالتی' کے نام سے ہوا۔ عربی سے بھی بہت ساری کتابوں کے ترجمے فارسی میں کئے گئے جو علمی موضوعات سے متعلق تھے جن کا ذکر آچکا ہے۔

شہزادہ داراشکوہ (م۔ ۱۶۲۸ء) صوفی صافی، عالم، متبحر شاعر اور دانشور تھا۔ ہندو مسلم مشترکہ تہذیب کی زندہ جاوید علامت اور اپنی ذات میں انجمن تھا۔ شعراء، ادبا، علماء و فضلاء کا شیدائی و سرپرست، ان سے فیاضانہ سلوک کرتا۔ داراشکوہ کو فارسی نثر میں کامل دست گاہ تھی اس کی تصنیف، سفینۃ الاولیا، یادگار تصنیف ہے جس میں ۴۱۱ علماء و مشائخ کے حالات درج ہیں۔ اس کی دوسری کتاب 'سکینۃ الاولیاء' ہے۔ تیسری کتاب 'حق نما' کا موضوع تصوف ہے۔ داراشکوہ کی ایک اور معرکۃ الآراء کتاب 'مجمع البحرین' ہے جو ویدانت اور توحید کے عقائد کے مشترکہ عناصر کی تلاش پر مبنی ہے۔ ان کے علاوہ حسنات العارفین، یا شطحیات، اور تصوف کی اصطلاحات پر مبنی 'بیاض' کا ذکر کیا جاسکتا ہے داراشکوہ کی فرمائش پر یوگ وششٹھ کا فارسی میں ترجمہ ہوا، اس نے خود اپنشدوں کے پچاس ابواب کا فارسی میں ترجمہ کیا اور 'سر اکبر' نام رکھا۔ اس کو بھگوت گیتا کا ترجمہ بھی قرار دیا جاتا ہے۔ اس دور کی ایک یادگار کتاب 'لطائف الاخبار' یا 'تاریخ قندھاری' ہے اس کے مصنف کا نام معلوم نہیں لیکن اس کا موضوع داراشکوہ کی قندھار کی ناکام مہم ہے۔ خافی خاں نے اس کو رشید خاں معروف بہ محمد بدیع دیوان مہابت خاں کی تصنیف قرار دیا۔ ۲۲؎

اورنگ زیب عالمگیر (م۔۱۷۰۷ء) کو شعر وشاعری سے رغبت نہ تھی۔ شاعری کو ذریعہ معاش بنانے کے خلاف تھا۔ ایک بار سلطان شاہ مان نے اس کی شان میں قصیدہ پڑھا۔ بعض اشعار پسند آئے جن کو بار بار سنتا رہا لیکن آئندہ مدح سرائی کی ممانعت کردی ۳؎ اورنگ زیب نے ملک الشعرا کا منصب ختم کردیا لیکن اپنی عمر کے آخری ایام میں بیدل کا یہ شعر اکثر پڑھا کرتا تھا۔

بہ یک لحظہ بہ یک سان ویک دم
دگر گون می شود حالات عالم ۴؎

دور عالمگیر میں شعراء کی درباری سرپرستی ختم ہوگئی لیکن ان کی محفل درہم برہم نہ ہو سکی۔ حکیم مرزا محمد علی شیرازی (م۔۱۷۱۱ء) اپنے دور کا ممتاز ترین شاعر وادیب تھا جو دربار عالمگیری سے وابستہ تھا، اسے نعمت خان عالی کا لقب حاصل تھا۔ وہ بیک وقت عالم دین، حکیم حاذق، شاعر بے نظیر اور صاحب طرز نثر نگار تھے لیکن ان کی شہرت کا دارومدار ان کی تصنیف 'وقائع' پر ہے، جو ہندوستان میں تقریباً دو سو برس تک شامل نصاب رہی۔ نیز اہل ذوق کے مطالعہ میں شامل رہی۔ اس کے علم وفضل کے متعلق معاصر تذکرہ نگار رطب اللسان ہیں۔ نعمت خان عالی کثیر التصانیف ادیب وشاعر تھے۔ قرآن مجید کی فارسی میں 'نعمت عظمیٰ' کے نام سے تفسیر کی، علاوہ بریں وقائع نعمت خان عالی، دیوان عالی، حسن وعشق، جنگ نامہ، مثنوی سخن عالی، رقعات ومضحکات اور خوان نعمت شائع ہو چکی ہیں۔ البتہ شاہ نامہ بہادر شاہی نایاب ہے۔ عالی کے اسلوب میں تمثیل نگاری کی بہترین مثالیں ہیں۔ غزلیں سادہ وپرکار ہیں، نکتہ آفرینی اور ذہنی کیفیات کا امتزاج ہے۔ لہجہ سبک اور نرم ہے جس میں نغمیت پیدا ہوتی ہے، خود کہتے ہیں:

نعمت خان عالی کثیر التصانیف ادیب وشاعر تھے۔ قرآن مجید کی فارسی میں 'نعمت عظمیٰ' کے نام سے تفسیر کی، علاوہ بریں وقائع نعمت خان عالی، دیوان عالی، حسن وعشق، جنگ نامہ، مثنوی سخن عالی، رقعات ومضحکات اور خوان نعمت شائع ہو چکی ہیں۔

چہ سحر بود کہ دیدم زکلک تو عالی
کہ نظم ونثر تو ہر کس شنیدہ مایل شد

نعمت خان عالی نے اپنی نثر سے اصلاح معاشرت کا کام لیا، ان کے دور میں اخلاقی بحران شروع ہو چکا تھا، اپنے لہجہ کی نشتر زنی سے سماج کے خون فاسد کو نکال دینا چاہتے تھے۔ ان کے موضوعات میں بوڑھے امیروں کا جوان لڑکیوں سے شادی کرنا، مفلس رعایہ پر سخت گیری، قاضیوں کے بے انصافی پر مبنی فیصلے، قرض خواہوں کے تقاضے وغیرہ ہیں جس پر عالی نے بے لاگ تبصرے کئے ہیں حتیٰ کہ وہ بادشاہ کو نشانہ بنانے سے بھی نہیں چوکتے۔

اورنگ زیب کی چہیتی بیٹی شہزادی زیب النساء کے استاد ملا محمد سعید اشرف ماژندرانی، عاقل خاں رازی اور دیگر ممتاز شعراء، دربار عالم گیری سے کسی نہ کسی حیثیت سے وابستہ تھے البتہ عالم گیری دور میں ایران سے شعراء کی آمد کا سلسلہ قطع ہو گیا۔ اورنگ زیب کی شعر فہمی میں کلام نہیں، اس کے رقعات میں رومی، سعدی، حافظ اور بیدل کے اشعار کا برمحل استعمال ہے۔ مولانا محمد حسین آزاد رقم طراز ہیں: "عالم گیر کا دل معتدل اور زبان قادر البیان تھی' اس لئے فرمان اور خطوط خود لکھتا تھا یا سامنے لکھواتا تھا۵؎ جادو ناتھ سرکار نے اس کے دو ہزار رقعات کا ذکر کیا ہے جس کی نقلیں ان کے پاس تھیں، ان کے علاوہ اور کتنے رقعات ہوں گے جو ضائع ہو گئے۔ ۶؎ اورنگ زیب کے رقعات کے مجموعوں میں آداب عالم گیری، احکام عالم گیری، دستور العمل آگہی، رقائم کرام، ہیں۔ اس کا ایک اور اہم کارنامہ 'فتاویٰ عالم گیری' ہے جو گراں قدر دینی خدمت بھی ہے۔

عہد عالم گیری کے اہم ترین شاعر ملا محمد طاہر غنی کشمیری (م۔۱۶۶۸ء) ہیں، سادہ زندگی گزارتے تھے، دنیاوی اعتبار سے کسی طرح کی مال ودولت نہیں رکھتے تھے، دلچسپ معمول تھا، گھر میں رہتے تو دروازہ مقفل رکھتے، باہر جاتے تو دروازہ کھول دیتے۔ وجہ دریافت کرنے پر کہتے: اس مکان میں میرے علاوہ رکھا ہی کیا ہے۔ دیوان غنی کے متعدد قلمی نسخے مختلف کتب خانوں میں ملتے ہیں جو شائع ہو چکے ہیں۔ فارسی میں تمثیلی شاعری کو غنی نے معراج کمال پر پہنچایا۔

حافظ اور خیام کی طرح کلام غنی میں دنیا کی بے ثباتی، غم کی ہمہ گیری اور زمانہ کی دوں پروری کے مضامین کثرت سے نظر آتے ہیں۔

اس دور کے دوسرے اہم شاعر ناصر علی سرہندی (م۔۱۶۹۷ء) تھے۔ جو اورنگ زیب کے امراء میں سیف خاں بدخشی سے وابستہ تھے جو ۱۶۷۵ء میں صوبہ دار الہ آباد مقرر ہوا۔ ناصر علی بھی اس کے ساتھ الہ آباد میں قیام پذیر رہے حتی کہ ۱۶۸۴ء میں سیف خاں کی وفات ہوگئی۔ بعد میں ناصر علی حیدر آباد گئے اور پھر دہلی آئے اور وہیں انتقال ہوا۔ ان کا دیوان شائع ہو چکا ہے جو زیادہ تر غزلیات پر مبنی ہے، چند رباعیاں، مختصر قصائد اور قطعات بھی شامل ہیں۔ ناصر علی کو اہل ہند کی شاعرانہ صناعیوں پر ناز تھا:

بلبل ایران ندارد جلوہ طاؤس ہند
داغ بادارد عراق از دست ایں گلزار ہا

ناصر علی اپنے کلام میں ہندی الفاظ کا استعمال بے تکلفی سے کرتے تھے۔ ان کے اسلوب کی خصوصیت ہے کہ شعر کے پہلے مصرعے میں کسی حقیقت کا بیان ہوتا ہے جس کو دوسرے مصرعے میں کسی نادر مثال سے ثابت کرتے ہیں۔ اسلوب شاعری فلسفیانہ افکار، مطالب تصوف اور حکیمانہ اقوال کے لئے بڑا ہی کارگر ہے۔ ایک مثال ملاحظہ ہو:

بہ پیری سعی کن گرور جوانی رفت کار از دست
زرے گم گشتہ در آتش زخاکستر شود پیدا

اس دور کے اہم ترین شاعر مرزا عبد القادر بیدلؔ (م۔۱۷۲۰ء) ہیں جو بہار کے شہر

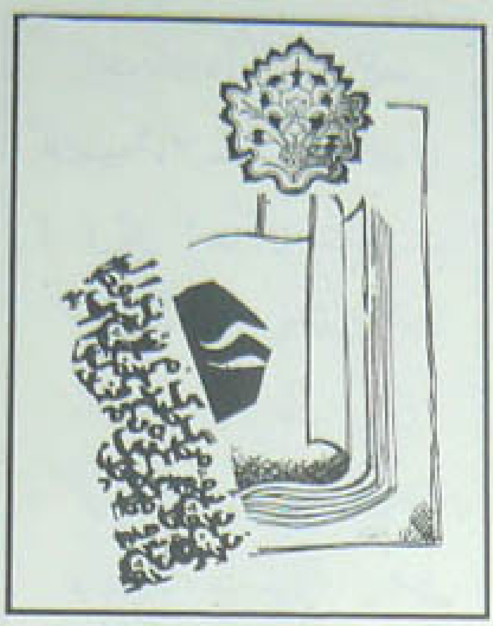

پٹنہ میں پیدا ہوئے۔ صوفیانہ اور قلندرانہ مزاج کے حامل تھے۔ پورے ملک کا دورہ کرتے رہے اور آخر میں دہلی میں مستقل طور پر سکونت اختیار کرلی۔ وہیں آسودہ خاک ہوئے۔ بیدلؔ پُرگو شاعر تھے ایک مثنوی 'طور معرفت' محض دو دنوں میں لکھی۔ دیگر مثنویوں کے نام 'محیط اعظم'، 'طلسم حیرت'، 'عرفان'، 'تنبیہ المہوسین' ہیں۔ ایک اور مثنوی 'گل زرد' نایاب ہے ان مثنویوں میں اشعار کی تعداد ساڑھے بارہ ہزار ہے۔ 'عرفان' طویل ترین مثنوی ہے اور گیارہ ہزار ابیات پر مشتمل ہے۔ 'تنبیہ المہوسین' مختصر ترین ہے۔ قصائد اور قطعات ڈیڑھ ہزار اشعار پر مشتمل ہیں۔ خمسوں میں بارہ سو اشعار ہوں گے۔ کچھ اشعار ہزل اور طنزیہ بھی ہیں۔ بیدل کا زیادہ تر کلام غزلیات پر مبنی ہے۔ جن کی تعداد کم و بیش ساٹھ ہزار اشعار ہے۔ کلیات چار ضخیم جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ نثری نگارشات میں 'چہار عنصر' اور 'رقعات' مشہور ہیں۔ علم رمل سے متعلق ایک رسالہ 'تالیف الاحکام' لکھا جو ناپید ہے۔ فن شاعری کے متعلق بیدل کا قول ہے: "شاعری عبارت از معنی تازہ بابیست"[۳۷] ان کے اشعار اسرار و رموز سے معمور ہوتے ہیں جس سے ان کی کنیت ابوالمعانی ہوگئی۔ انہیں اپنی معنی آفرینی پر ناز تھا:

بیدل از فطرت ما قصر معانیست بلند
پایہ دارد سخن از کرسی اندیشہ ما

اس دور کے دیگر شعراء میں سیادت لاہوری (م۔۱۶۸۸ء)، عاقل خاں رازی (م۔۱۶۹۶ء)، شاہ ابو الموالی غریبؔ (م۔۱۶۱۵ء)، لطف اللہ مہندس (م۔ ۱۶۴۹ء)، شاہ بدخشی (م۔۱۶۶۱ء)، خواجہ سنائی (م۔۱۶۶۴ء)، مقیم خاں خان خاناں (م۔۱۷۱۱ء) وغیرہ اہم ہیں۔

(باقی آئندہ)

حوالے:

۳۷۔ سید وزیر الحسن عابدی: باغ دو در ص ۲۳۵ (لاہور ۱۹۷۰ء)
۳۸۔ تذکرہ روز روشن۔ ص۔ ۶۵۴
۳۹۔ تاریخ ادبیات ایران۔ ص ۳۶۳
۴۰۔ محمد طاہر: تذکرہ۔ ص ۲۲۰ (تہران ۱۸۹۹ء)
۴۱۔ محمد حسین آزاد: سخنوران فارسی۔ ص ۲۵۳
۴۲۔ محمد ہاشم خافی خاں: منتخب اللباب۔ ج ۱ ص ۲۶۴ (کلکتہ ۷۴-۱۸۶۰ء)
۴۳۔ شعر العجم۔ ج ۳ ص ۱۲۹
۴۴۔ محمد ساقی مستعد: ماثر عالمگیری (اردو ترجمہ) ص ۴۴۵
۴۵۔ محمد حسین آزاد: دربار اکبری
J.N. Sarkar: Studies in Mughal India(Calcutta)۱۹۱۹